



خطبة الانوار

خطباء وواعظین کے لیے جمعۃ المبارک کا بیان

فکر آخرت

بعضوان

5 مئی 2023 جمعہ

۱۴ شوال المکرم ۱۴۴۴ھ

تاریخ:

سلسلہ نمبر: 00056

پیش کش

تنظیم فضلاء انوار العلوم میرٹھ

0396-2314-0316-2314
6123162
061-6560699

جامعہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم فی بلاک نیولمان

مرکزی دفتر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فکرِ آخرت

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَالْفَرْقَانِ الْحَمِيدِ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ صدق الله العظيم

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو انسانیت کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا اور اُن کے ذریعے انسانیت کو یہ پیغام بھجوایا کہ دنیوی زندگی میں میری نازل کردہ ہدایات پر عمل اُن کی سعادتِ دارین کا ذریعہ ہے۔

یہ ہدایت عقائد، عبادات، معاملات اور معاشرت کے مفصل احکام کو محیط ہے لیکن اکثر اوقات عارضی مادی ترغیبات انسان کو اس ابدی ہدایت سے غافل کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔ اس غفلت سے نجات کے لیے اسلام نے بار بار موت و مابعد الموت کے مراحل اس کے سامنے پیش کیے ہیں اور قیامت کے دن کڑے احتساب کی خبر دی ہے، جو دنیا میں انسان کو نیکی پر کاربند رہنے اور بدی سے بچنے میں مدد دیتی ہے۔ اس احتساب کے لیے تیاری ”فکرِ آخرت“ کا تقاضا ہے۔

فکرِ آخرت کا فلسفہ

☆ انسان میں غفلت کی وجہ سے سرکشی کا جو رجحان موجود ہے اُسے شعوری طور پر حکمِ الہی کے تابع رکھنے کے لیے بارگاہِ الہی میں پیشی کا احساس دلایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ ۚ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ } (العلق ۶۹ - ۸۰)

ترجمہ: ”ہرگز نہیں، انسان سرکشی کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے۔ (حالانکہ)

پلٹنا یقیناً تیرے رب ہی کی طرف ہے۔“

☆ مال و دولت کی ہوس انسان کو دنیوی زندگی میں مقصد اصلی سے غفلت میں ڈالتی ہے۔ اس لیے اسے قبر کی باز پرس کے منظر سے ڈرایا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{الْهَكُمْ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ} (التكاثر 1-2: 102)

ترجمہ: ”تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دنیا حاصل کرنے کی دُھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ تم قبروں کو پہنچ گئے۔“

☆ دنیوی زندگی میں سب نعمتیں اللہ کی طرف سے آزمائش ہیں۔ اُن کے ساتھ درست رویہ رکھنا انسان کی ذمہ داری ہے جس میں کوتاہی کی صورت میں باز پرس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{ثُمَّ لَنَسْأَلَنَ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ} (التكاثر 102: 8)

ترجمہ: ”پھر ضرور اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

فکرِ آخرت کی اہمیت و ضرورت

ایمانیات میں توحید و رسالت کے بعد آخرت پر ایمان ایک بنیادی اکائی کی حیثیت کا حامل ہے۔ عقیدہ آخرت کی اہمیت اس حقیقت کے پیش نظر بہت بڑھ جاتی ہے کہ انسان مادی ترغیبات سے متاثر ہو کر غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔

حُب دنیا کی شدت کو توڑنے کے لیے قرآن وحدیث میں بار بار یہ باور کرایا گیا ہے کہ:

☆ یہ دنیا اپنے سارے مال و متاع کے ساتھ فنا کے گھاٹ اترنے والی ہے:

{كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ} (الرحمن: 26-27)

ترجمہ: ”ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی

باقی رہنے والی ہے۔“

☆ ہمیشہ رہنے کی جگہ تو آخرت کا گھر ہے:

{وَإِنَّ الْآخِرَةَ لَهِیَ دَارُ الْقَرَارِ} (غافر 39: 40)

ترجمہ: ”ہمیشہ کے قیام کی جگہ آخرت ہی ہے۔“

☆ اسی طرح حقیقی زندگی تو آخرت میں ہوگی:

{وَأَنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ} (العنکبوت 64 : 29)

ترجمہ: ”اصل زندگی کا گھر تو آخرت ہے، کاش یہ لوگ جانتے ہوتے۔“

☆ دنیا کی زندگی عارضی اور آخرت کی زندگی دائمی ہے۔

اس لیے اپنے تمام کاموں کی ترجیحات کا تعین اسی حساب سے کرنا ضروری ہے ورنہ سخت نقصان سے دوچار

ہونا ہوگا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ} ۝ أُولَٰئِكَ

الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ صَلُّوْا حَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِطُلْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ}

(ہود 15 - 16 : 11)

ترجمہ: ”جو لوگ بس اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوشنمائیوں کے طالب ہوتے ہیں ان کی کارگزاری کا

سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ مگر آخرت میں ایسے لوگوں

کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (وہاں معلوم ہو جائے گا کہ) جو کچھ انھوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیا

میٹ ہو گیا اور اب ان کا سارا کیا دھرا محض باطل ہے۔“

☆ آخرت کی زندگی ابدی ہے

اس لیے آخرت کی کھیتی بھی برکت والی ہے اس کے مقابلے میں دنیا کے طالب کو بقدر ضرورت دیے

جانے کے بعد آخرت کے حصے سے محروم کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

{مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي

الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ} (الشوریٰ 20 : 42)

ترجمہ: ”جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں، اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے

اُسے ہم دنیا ہی میں سے دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔“

☆ بندے کی ترجیحات کا مرکز و محور آخرت ہو تو اس کی کوشش اور عمل کی قدر کی جائے گی:

{وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا}

(الاسراء 17:19)

ترجمہ: ”اور جو آخرت کا خواہشمند ہو اور اس کے لیے سعی کرے جیسا کہ اس کے لیے سعی کرنی چاہیے اور ہو وہ مومن تو ایسے شخص کی سعی کی قدر کی جائے گی۔“

☆ دنیا کے مقابلے میں آخرت انعام و درجات کے اعتبار سے بڑھی ہوئی ہے:

{وَلِلْآخِرَةِ الْكِبْرُ دَرَجَاتٍ وَكَبُرُ تَفْصِيلًا}

(الاسراء 21: 17)

ترجمہ: ”اور آخرت میں اس کے درجے بڑے اور زیادہ ہوں گے۔“

آخرت کی ابدی نعمتوں اور لازوال کامرانیوں کو ترجیح دینے والے کے مقابلے میں دنیا کے مفادات و منافع کو گلے لگانے والے کا تقابل درج ذیل ارشاد نبوی میں ہوا ہے:

مَنْ كَانَتْ الْآخِرَةُ نِيَّتَهُ جَعَلَ اللَّهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتْ الدُّنْيَا نِيَّتَهُ فَرَّقَ اللَّهُ عَلَيْهِ شَمْلَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قَدَّرَ لَهُ

(سنن الدارمی، کتاب المقدمة، باب الاقتداء بالعلماء، حدیث 235:)

ترجمہ: ”جس کی نیت آخرت کی کامیابی ہو، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا ڈال دیتا ہے اور اس کی شان بڑھاتا ہے اور اس کو دنیا دیتا ہے حالانکہ وہ بے وقعت چیز ہے۔ اور جس کی نیت دنیا کا حصول ہو، اللہ تعالیٰ اس کی شان گھٹاتا ہے اور فقر اس کو لاحق کرتا ہے اور دنیا سے اس کو صرف اسی قدر ملتا ہے جو اس کے مقدر میں ہو۔“

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی ناپایداری کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَالَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ انْفُرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَتَأْتِلْهُمْ إِلَى الْأَرْضِ ضُطَّ أَرْضِيْتُمْ

(التوبه 9:38)

بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ جَ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ}

ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم رہے کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔“

اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر ملامت کر رہا ہے جنہوں نے دنیا پر قناعت کر لی ہے اور آخرت کو بھول گئے ہیں اور دنیا کو محبوب اور قرار گاہ سمجھتے ہیں اور آخرت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

محض باتیں نہیں بلکہ عمل ضروری ہے

فکر آخرت محض آخرت کی باتوں کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے اپنے آپ کو قول اور عمل کے لحاظ سے مسلمان بنانا ہوگا۔ اس کی تیاری تو یہ ہے کہ شریعت نے جن کاموں سے منع کیا ہے، اُن سے بچیں اور جن کا حکم دیا ہے، اُن کو کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَ الْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَ تَمَنَّى عَلَى اللَّهِ

(سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق۔۔ باب: منه، حدیث 2372)

ترجمہ: ”عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو تابع بنائے اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے تیاری کرے اور بے بس وہ ہے جو خواہشات نفس کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے (بخشش کی) تمنا کرے۔“

دنیا کی ناپائنداری

دنیا کی زندگی کی حیثیت ایک سفر کی ہے۔ سفر میں بندہ سوچتا ہے کہ ایک دن یا رات ہی تو رہنا ہے جس طرح ہو گزارہ کرو۔ سرائے کی تکلیف اس لیے تکلیف معلوم نہیں ہوتی کہ بندہ اس کو گھر نہیں سمجھتا۔ یہی حال دنیا کی تکلیفوں کا ہے جو عارضی ہیں۔ ہم دنیا کو اپنا مستقل گھر نہ سمجھیں اور اسی طرح اس کے ساتھ برتاؤ کریں۔ ہمارا گھر آخرت ہے۔ وہاں پہنچ کر چین اور آرام کریں گے یہاں کی تکالیف جتنی بھی ہوں، مرتے ہی ختم ہو جائیں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ

(صحیح البخاری، باب قول النبی ﷺ، کن فی الدنیا۔۔، حدیث: ۵۹۳۷)

ترجمہ: ”دنیا میں ایسا رہو جیسے اجنبی یا راہ گزر۔۔۔“

دنیا کی بے ثباتی اور اصلاح اعمال

غزالی زماں رازی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دنیا کی بے ثباتی اور فکر آخرت کی بنیاد پر اصلاح اعمال کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں یہ دنیا چند روزہ ہے۔ رازق اللہ ہے ظاہری اسباب اللہ نے پیدا کیئے ہیں۔ جو اسباب بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے پیدا کیے ہیں ہم ان میں کوتاہی نہ کریں ہم میں سے کوئی تجارت کرتا ہے یا زراعت کوئی دکانداری کرتا ہے یا مزدوری مزدور مزدوری پوری لے لے اور مالک کا کام پورا نہ کرے اور مالک کام پورا لے لے اور مزدوری پوری نہ دے یہ کوتاہی ہے۔ دکاندار یا تاجر مرچوں میں ملاوٹ کر دے یا آٹے میں ملاوٹ کر دے چینی میں ملاوٹ کر دے تاکہ منافع زیادہ ہو تو یہ منافع کسی کام کا نہیں۔ سب پیر بھائی اس بات کو ذہن میں رکھیں کوئی اپنے مفاد حاصل کرنے کیلئے بے ایمانی نہ کرے اپنے کاروبار کو صاف رکھے۔ اس سے جو منافع ہو گا وہ دیکھنے میں تھوڑا ہو گا مگر اس میں بے شمار برکتیں ہوں گی سب پیر بھائی اس پر عمل پیرا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں انسان بنایا اور حضور سید عالم ﷺ کے دامن اقدس سے وابستہ فرمایا اور ان راہوں سے وابستہ فرمایا۔ جو وہاں تک پہنچاتی ہیں اور وہ نسبتیں عطا فرمائیں جن کو ہم اختیار کر کے نجات پاسکتے ہیں اور منزل مقصود پاسکتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں ان پیار و محبت کی باتوں اور پسند و نصائح پر پابندی سے عمل پیرا رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فکر آخرت کے تقاضہ توبہ کا بہترین طریقہ :

آؤ رب کی رحمت کی طرف

غزالی زماں رازی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ توبہ کے بہترین طریقہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یقینی توبہ وسیلہ مصطفیٰ ﷺ سے ہی ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے،

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا

رَحِيمًا ۝

(پ: ۵، س: النساء، آیت: ۴۶)

ترجمہ ☆ اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تو آجاتے، تیرے پاس، پھر مغفرت طلب کرتے اللہ سے اور مغفرت طلب کرتا ان کے لئے رسول۔ تو ضرور پاتے، اللہ کو بہت قبول کرنے والا بے حد مہربان۔

☆ یعنی ارشاد ہوتا ہے کہ فاسق و فاجر، گناہ گار و بدکار، اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے، کاش! اے محبوب تیری بارگاہ میں آجاتے، اپنے کئے پر نادم، اپنی بد اعمالیوں پر شرمندہ اور تیری بارگاہ میں آکر وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے، اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے۔ اور اے محبوب! اگر تو بھی ان کے لئے ہاتھ اٹھا دیتا، ان کی سفارش کر دیتا، ان کے لئے مغفرت طلب کر لیتا تو وہ گناہ گار مجھے توبہ قبول کرنے والا پاتے، رحم کرنے والا پاتے۔ میں ان کے گناہوں کو بخش دیتا۔ ان کی سزا کو معاف کر دیتا۔ ان کی توبہ قبول کر لیتا۔

یہاں چار باتیں کہی گئی ہیں

☆ خطا کار و گناہ گار حضور کے پاس آئیں۔

☆ اپنے کئے پر نادم ہوں اور خدا سے مغفرت طلب کریں۔

☆ رسول کریم ﷺ ان کے لئے مغفرت طلب فرمائیں۔

☆ پھر وہ اللہ کو ”تَوَّاب“ پائیں گے۔

☆ پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ خطا کار و گناہ گار، اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے، تمام میرے محبوب

ﷺ کے پاس آئیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ مجرم تو خدا کے ہیں، اللہ کی نافرمانی کے مرتکب ہو کر گناہ گار ہوئے ہیں اور اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ ہر مقام پر ہے اور اس نے اعلان بھی فرما دیا ہے کہ

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (پ ۶۲: ہ: ق، آیت ۶۱:)

☆ ”ہم تو اس کی رگ و جان سے، اس سے زیادہ قریب ہیں۔“ تو اس نے چونکہ نافرمانی خدا کی، کی ہے،

اسلئے معافی بھی اس سے مانگی جائے۔ پھر اور کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور چونکہ رب ہر جگہ ہے۔ یہ تو ہو

نہیں سکتا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس جائیں گے تو اللہ ملے گا اور اگر ادھر ادھر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نہیں ملے گا۔

جب ایسا ناممکن ہے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضری کی شرط کیوں رکھی؟ کہ وہاں جا کر رب تعالیٰ

سے استغفار کریں۔

☆ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گویا یہ فرمایا ہے کہ اے محبوب ﷺ وہ تیرے پاس آئیں گے تو ”لَوْ جَدُّ وَاللّٰہُ“ وہ اللہ کو پالیں گے اور کس حال میں پائیں گے؟ ”تَوَّابًا رَّحِيمًا“ تو بہ قبول کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا پائیں گے۔ اگر ان خطا کاروں کو میری رحمت سے حصہ چاہیے تو وہ تیری بارگاہ میں آئیں۔ اگر اپنے گناہوں کی بخشش چاہیے تو تیری بارگاہ میں حاضر ہوں و گرنہ میں تو ہر جگہ ہوں، لیکن میں صرف ”تَوَّابٌ وَرَّحِيمٌ“ ہی نہیں ”قَبَّارٌ وَجَبَّارٌ“ بھی ہوں۔ اگر وہ مجرم تیرا دامن چھوڑ کر آئیں گے تو ضروری نہیں کہ مجھے ”تَوَّابٌ وَرَّحِيمٌ“ پائیں۔ یہ ضمانت ان کے لئے ہے جو تیرا دامن پکڑ کر آئیں گے۔

☆ اور دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ خطا کار خود بھی مغفرت طلب کریں۔ کیونکہ معافی اس کو ملتی ہے، جسے خود بھی اپنی غلطی کا احساس ہو۔ اپنے جرم کا اعتراف کرے، تبھی معافی کا سوال پیدا ہوگا۔ اور اگر کوئی اپنی غلطی کا اقرار ہی نہیں کرے، یہ تسلیم ہی نہ کرے کہ اس سے گناہ سرزد ہوا ہے تو معافی کس بات کی ہوگی؟

☆ اور تیسری بات یہ بتائی کہ رسول اکرم ﷺ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کی مغفرت طلب فرمائیں۔ وہ اس لئے کہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تو مجرم ہیں اور مجرم کے لئے معافی طلب کرنے پر معافی کا ملنا ضروری نہیں ہوتا۔ وہ اس لئے کہ معافی تو معاف کرنے والے کے کرم پر منحصر ہے۔ معافی مانگنے والے مجرم کا حق نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب! گناہ گاروں کی بخشش کے لئے محض ان کا مغفرت طلب کرنا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے میری رحمت اور میرے کرم کا شامل ہونا بھی ضروری ہے اور اے محبوب! جب میں نے تجھے مجسم رحمت بنا کر بھیجا ہے تو ان کے حق میں تیرا ہاتھ اٹھا دینا میری رحمت کی ضمانت ہے۔ صرف ان کا بخشش طلب کرنا نہیں۔ اس لئے ”وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُولُ“ فرمایا کہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ رحمت مجسم ہوئے، مغفرت فرمائیں گے، تب وہ گناہ گار معافی کے مستحق قرار پائیں گے اور اس طرح وہ اپنے رب کو تواب اور رحیم پائیں گے۔

ایک اعتراض کا جواب

☆ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت تو صرف سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانے کے لئے تھی۔ جب سرکارِ روئے زمین پر لوگوں کے سامنے موجود تھے اور لوگ وہاں پہنچ سکتے تھے۔ اب جب سرکارِ پردہ فرما چکے ہیں تو اب سرکار کی

بارگاہ میں حاضری کیوں کر ممکن ہے؟ اور یہ بھی کہ اگر آج بھی سرکار اپنے مزارِ اقدس میں جلوہ فگن ہیں، تب بھی مدینہ جا کر حاضری تو ہر ایک کے لئے ممکن نہیں۔ تو وہ گناہ گار جو استطاعت نہیں رکھتے، وہ اپنی بخشش کیسے کروائیں؟

☆ جواباً عرض ہے کہ حضور ﷺ وقت ظاہری حیات کے ساتھ تشریف فرما تھے، اس زمانے میں بھی اسلام مشرق و مغرب میں پھیل چکا تھا۔ دور دراز کے علاقوں سے تعلق رکھنے والے، مسلمان ہو چکے تھے۔ اس وقت بھی تمام مسلمان سرکار کی بارگاہ میں حاضر نہ ہو سکتے تھے۔ سفر کی دشواریاں اور فاصلوں کی طوالت پھر وسائل کی کمی وغیرہ ایسے اسباب تھے کہ تمام مسلمان اس وقت بھی حاضری کی سعادت سے بہرہ مند نہ ہو پاتے تھے۔ بعض اوقات کچھ مزید مجبوریاں بھی دامن گیر ہوتی تھیں۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی مثال سامنے رکھیے جو یمن میں رہتے تھے اور جن کے حوالے سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ یمن سے محبت کی بو آتی ہے لیکن اس محبت اور تعلق کے باوجود وہ سرکار کی بارگاہ میں حاضر نہ ہو پائے۔ اسی طرح ہزاروں مسلمان اس زمانے میں بھی بارگاہ رسالت میں حاضری سے قاصر رہے۔ تو کیا یہ آیت کریمہ ان کے لئے نہ تھی؟ اور یہ کہنا کہ یہ آیت اس زمانے کے ان مسلمانوں کے لئے تھی جو بارگاہ رسالت میں پہنچ سکتے تھے، قطعاً قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

☆ علاوہ ازیں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے ہے اور رہتی دنیا تک یہ قابل عمل رہے گا۔ منبع رشد و ہدایت اور مخزن علم و حکمت رہے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن کا کچھ حصہ تو قابل عمل ہو اور کچھ اب عمل کے قابل نہ رہا ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید نے خود وضاحت کی

تَبَرَّكَ الَّذِي نَزَلَ الْفُرْقَانُ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (س: الفرقان، آیت: ۱)

ترجمہ ☆ بڑی برکت والا ہے وہ، جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مقدس) بندے پر اتاری تاکہ وہ تمام جہانوں کو ڈرانے والا ہو۔“

اور مزید فرمایا

شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ (س: البقرة، آیت: ۱۸۵)

ترجمہ ☆ رمضان کا مہینہ وہ ہے، جس میں قرآن اتارا گیا، لوگوں کو ہدایت کرنے والا۔

☆ ”النَّاس“ قیامت تک آنے والے تمام انسان شامل ہیں۔ لہذا قرآن کی آیت ”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ“ بھی سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانے تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے

ہے۔

☆ رہی یہ بات کہ ادھر تو حکم ہے کہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے، محبوب ﷺ بارگاہ میں حاضر ہو جائیں اور ادھر ہر شخص کے لئے تو سرکار کی بارگاہ میں حاضری ممکن نہیں ہے۔ تو بات کیسے بنے گی؟ مسئلہ کیسے حل ہو گا؟

☆ تو اس کا حل یہ ہے کہ حضور ﷺ ظاہری میں بھی اللہ کے رسول تھے اور اب بھی اللہ کے رسول ہیں۔ اس لئے تمام مسلمان جب کلمہ پڑھتے ہیں تو اقرار کرتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ سرکار اللہ کے رسول تھے۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ طرح اپنی حیاتِ ظاہری میں مسندِ رسالت پر جلوہ فگن تھے، اسی طرح آج بھی ہیں اور ہر منصب و عہدہ کسی نہ کسی شان، اختیار یا اتھارٹی (Authority) سے مشروط ہوتا ہے، چونکہ سرکار آج بھی منصبِ رسالت کے حامل ہیں، اس لئے اس منصب کی رعایت سے سرکار کو جوشان، جو مقام اور جو اختیار ملا تھا، وہ بھی یقیناً باقی ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے مناسبات اور لوازمات کیساتھ ثابت ہوتی ہے۔ جب رسالت و نبوت ثابت ہے تو اسکے لوازمات اور مناسبات بھی یقیناً ثابت ہیں اور چونکہ آیت کریمہ میں بارگاہِ رسالت کی حاضری کا حکم ہے اور رسالت جاری و ساری ہے۔ اس لئے یہ حکم آج بھی نافذ العمل ہے۔

☆ اب رہا یہ مسئلہ کہ خدا تو ہر جگہ ہے، اس سے مغفرت کہیں بھی طلب کی جاسکتی ہے لیکن بارگاہِ رسالت میں حاضری کیلئے تو زائرِ راہ، وقت، مصروفیات سے چھٹکارا اور ذمہ داریوں سے مہلت درکار ہے اور ساتھ ہی جسمانی صحت بھی ضروری ہے۔ تو ہر شخص اس بار کو کیسے اٹھا سکتا ہے؟ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس مشکل کو اس طرح حل فرمایا کہ ”الَّتِي أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ نَفْسِهِمْ“ ”یہ نبی ایمان والوں کیساتھ انکی جانوں سے پیوستہ ہیں۔“ یعنی ایمان والو! یہ تردد نہ کرو کہ اب اس بارگاہ میں حاضری کیسے ہوگی؟ حالات سازگار نہیں، زادِ راہ پاس نہیں، مصروفیات اجازت نہیں دیتیں، صحت اس قابل نہیں، یہ مت سوچو، یہ فکر نہ کرو۔ وہ اس لئے کہ اپنے نبی محترم کو تمہاری جانوں سے بھی زیادہ تم سے قریب کر دیا ہے۔ تردد اور فکر تو اس وقت ہو، جب دوری ہو، جب فاصلہ ہو، تمہاری جانوں اور تمہارے درمیان فاصلہ ممکن ہے لیکن اگر تم صاحبِ ایمان ہو تو نبی مکرم سے دور نہیں ہو سکتے۔ وہاں فاصلے اور مسافت کا کوئی تصور نہیں۔

☆ اس لئے جہاں ہو، جس حال میں ہو، اگر تم سے گناہ سرزد ہو جائے، اگر بتقاضائے بشریت غلطی کا ارتکاب کر بیٹھو تو اپنے کئے پر نادم ہو جاؤ۔ میرے محبوب کا تصور کرو جو تمہاری جانوں سے زیادہ قریب ہے۔ اس کی بارگاہ کا تصور باندھ کر مجھ سے استغفار کرو اور اگر تم نے ایسا صدقِ دل سے کیا، تمہاری نیت درست ہوئی، تم واقعی اپنے کیے پر شرمندہ ہوئے تو میرا محبوب کریم ہے، تمہارے لئے ”رَوْؤُفٌ وَرَحِيمٌ“ ہے۔ وہ تمہارے حال پر ضرور کرم فرمائے گا اور تمہارے لئے مغفرت طلب کرے گا۔ اس طرح تم میری مغفرت اور بخشش کے حق دار ہو جاؤ گے۔ جیسے ہی تم نے اپنی توجہ کو میرے محبوب کی بارگاہ میں حاضر کیا اور میرے محبوب نے تمہارے حال پر التفات کیا، تم فوراً مجھے ”تَوَّابٌ وَرَحِيمٌ“ پاؤ گے۔

فکر آخرت کے ساتھ ہمارا برتاؤ

بد قسمتی سے آج کل ہمارے معاملات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم عملی طور پر آخرت کے منکر ہوں کیونکہ ہمارے دلوں میں جتنی محبت اور رغبت دنیا کی ہے اتنی آخرت کی نہیں ہے۔ دلوں کو ٹٹول کر دیکھ لیں کہ دنیا کے لیے ہم لوگ کیا کیا منصوبے بناتے ہیں؟ اچھے مناصب، گاڑیاں، جائیدادیں، ملازمین، مکانات وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ہونا یہ چاہیے کہ آخرت کے متعلق ہی ہمارے دلوں میں ایسی امنگیں ہوں۔ اگر ایسا ہیں تو وہاں کی زندگی کے متعلق بھی ایسے ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ منصوبے اور کوششیں ہونی چاہیں۔

ماحصل

عقیدہ آخرت اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے جو مسلمانوں کو اپنے اعمال کے انجام کے بارے میں غور و فکر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی لیے حقیقی مسلمان ہر لمحے خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ سمجھتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ اُسے برائی کا برا انجام اور نیکی کا اچھا انجام دیکھنا پڑے گا۔ دانش مندی کا تقاضا ہے کہ دنیا میں اس تھوڑی سی مہلت کو ضائع نہ ہونے دیا جائے اور پورے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ زندگی کے تمام فرائض ادا کیے جائیں۔ اس طرح آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی میں کامیابی حاصل کی جاسکے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کی فکر کرنے اور اس کے لیے صحیح کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین